تبتل خدا کی طرف ہجرت کرنے کا نام ہے۔

تبتلیہ ہے کہ انسان دل سے مخفی بتوں سے رہائی پائے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹ / اکتوبر ۱۹۹۳ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

اجتماعات کے اعلانات کے سلسلے میں پہلے تو ایک معذرت پیش ہے کہ لجنہ اماء اللہ تامل ناڈو ہندوستان نے بھی گزشتہ مرتبہ یہ خواہش کی تھی کہ ان کے اجتماع کا بھی اعلان کیا جائے۔ یہ صوبائی اجتماع تھا مگر غلطی سے وہ نام پڑھا نہیں گیا۔ اب ان کو اپنی دعاؤں میں شامل کر لیں۔

کل سے جو اجتماعات شروع ہیں وہ مجلس انصار اللہ ضلع راولپنڈی کا اجتماع ہے جو ۲۸ / اکتوبر سے شروع ہوا ہے اور آج ختم ہوگا۔ انصار اللہ سٹوٹ گارڈ جرمنی ریجن کا اجتماع ہے جو ۳۰ / اکتوبر کو ہو رہا ہے۔ جماعت احمدیہ سپین کا نواں جلسہ سالانہ آج شروع ہو رہا ہے کل ۳۰ / اکتوبر تک جاری رہے گا۔ لجنہ اماء اللہ بنگلہ دیش کا سالانہ اجتماع ۳۱ / اکتوبر کو منعقد ہوگا۔ لجنہ اماء اللہ ساؤتھ افریقہ کا آٹھواں سالانہ اجتماع ۳۱ / اکتوبر کو ہو رہا ہے۔ ہندوستان کے جنوبی صوبوں تامل ناڈو، آندھرا پردیش، کیرالہ اور کرناٹک کی ساؤتھ ریجنل سالانہ کانفرنس ۳۱ / اکتوبر سے یکم نومبر تک منعقد ہوگی۔

خدام الاحمدیہ پاکستان کا سالانہ اجتماع جو ۲۱ / تا ۲۳ / اکتوبر ہونا تھا جس کی حسب توقع اجازت نہیں ملی۔ توقع تو عموماً اچھی چیز کی لگائی جاتی ہے مگر وہاں خدام الاحمدیہ کو بھی اور دیگر جلسہ یا اجتماع کرنے والی مرکزی تنظیموں کو اب عادت پڑ چکی ہے کہ انکار میں جواب آئے گا۔ اس لئے توقع

امید کی شکل میں نہیں بلکہ مایوسی کی شکل میں ہوتی ہے اور معلوم ہے کہ وہ کیا جواب دیں گے؟ اس سلسلے میں میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان ہو یا انصار اللہ یا لجنہ اماء اللہ ان کو اپنی مسلسل کوششوں میں ناکامی سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جلسہ سالانہ جب سے انہوں نے بند کیا اور ساتھ ہی ذیلی تنظیموں کے اجتماعات بند کئے۔ یہ انہی پابندیوں کا فیض ہے جو ساری دنیا اب اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ عالمی اجتماعات اور عالمی جلسوں کی صورت میں دیکھ رہی ہے اس لئے یہ قربانیاں رائیگاں نہیں گئیں۔ بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ ایک انسان کو ایک ایسی نیکی کا پھل ملتا ہے جسے کرنے کی توفیق ملتی ہے بعض دفعہ ایک نیکی نہ کرنا اس درد کی وجہ سے بہت بڑا ثواب بن جاتا ہے جس نیکی کی راہ میں کوئی مجبوری حائل ہو اور انسان کا دل بے قرار ہو کہ میں وہ نیکی کروں لیکن مجبوراً نہ کر سکے بعض ایسی بھی صورتیں ہوتی ہیں کہ ایسی نیکیوں کا ثواب کی ہوئی نیکیوں سے بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ ایک الٰہی اشارے کے تابع عمرے اور حج کی نیت سے مکے کی طرف روانہ ہوئے، ساتھ آپؐ کے جاں نثاروں کا ایک بڑا قافلہ تھا اور حدیبیہ کے میدان پر جا کر آپؐ کو روک دیا گیا۔ وہ واقعہ بار بار جماعت کے سامنے پیش کیا جا چکا ہے۔ اس کی تفصیل میں میں نہیں جاتا لیکن یہ یاد دلاتا ہوں کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے اور اجتماعی رائے کے خلاف اللہ کی رائے کو ترجیح دی یعنی اللہ کے منشاء کو ترجیح دی اور باوجود اس کے کہ بشدت صحابہؓ کا اصرار تھا کہ ہم جانیں فدا کر دیں گے مگر یہ حج ضرور ہوگا یا یہ عمرہ ضرور ہوگا لیکن آنحضورؐ نے رضائے باری تعالیٰ کو فوقیت دی اور یہی ہونا تھا۔ آپؐ سے اس کے سوا کوئی کسی قسم کی توقع رکھی نہیں جا سکتی اور تمام صحابہؓ کی رائے کو ردّ کر دیا۔ اس کے نتیجے میں وہ عمرہ اور حج جو نہیں ہو سکے تھے ان کی جزا قرآن کریم میں ایسی بیان ہوئی ہے کہ جب سے دنیا بنی ہے کسی مقبول حج، کسی مقبول زیارت کی ایسی جزاء نہیں دی گئی۔ فرمایا کہ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (الفتح: ۳) اے محمد ﷺ! ہم تیرے اس فعل سے ایسا راضی ہوئے ہیں کہ تو نے ہماری خاطر ایک نیکی سے محرومی اختیار کر لی یعنی نیکی کا فلسفہ یہ ہے کہ خدا کی خاطر کوئی چیز کی جائے اور اسی فلسفے کی طرف دراصل توجہ دلائی گئی ہے خدا

کی خاطر کسی نیکی سے رک جانا بعض دفعہ اس سے بھی بڑی نیکی بن جاتی ہے چنانچہ فرمایا کہ ہم تجھ سے یہ سلوک کرتے ہیں کہ تیسرا صرف ماضی کی غلطیاں ہی یا بشری کمزوریوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ایسی صورتیں جن سے تجھے تکلیف پہنچی ہو وہی معاف نہیں کی جاتی بلکہ آئندہ ہمیشہ کے لئے تمام غلطیاں معاف کی جارہی ہیں۔ اتنی بڑی جزا ایک ایسی نیکی کی ہے کہ جو کی نہ جاسکی۔ لیکن دنیا کی نظر میں جو نیکی نہ کی جاسکی اگر نیتوں میں خدا ہی خدا ہو اور اس نیکی سے روکنا بھی خدا ہی کی خاطر ہو تو عملاً یہ نیکی شمار ہو جاتی ہے۔

پس مجلس خدام الاحمدیہ ہو یا انصار اللہ یا دوسری ذیلی تنظیمیں یا صدر انجمن جو اپنے جلسوں کی درخواستیں دیتی چلی جارہی ہے اور ہر دفعہ مایوسی ہوتی ہے۔ پاکستان کی ایسی تمام مرکزی تنظیموں کو میں متوجہ کرتا ہوں آپ کی نیکی رائیگاں نہیں گئی۔ آپ جن جلسوں اور اجتماعات سے محروم کئے گئے ہیں یہ آپ کے محرومی کے نتیجے میں درد کا فیض ہی ہے جو ساری دنیا میں عام ہو رہا ہے۔ ایک جلسہ سالانہ پر کتنے احمدیوں کو توفیق ملا کرتی تھی حاضر ہونے کی اور ایک اجتماع پر کتنے احمدیوں کو حاضر ہونے کی توفیق ملا کرتی تھی۔ اب دیکھیں ہر جمعہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس سے آٹھ دس گنا زیادہ احمدیوں کو بیک وقت مرکزی خطابات سننے کا موقع مل رہا ہے اور اسی طرح دیگر اجتماعات کا حال ہے لیکن ساتھ ہی مجھے یہ خیال آیا کہ میں ان کو ایک ترکیب سوجھاؤں کہ اگر مجلس خدام الاحمدیہ، انصار اللہ، لجنہ اماء اللہ پاکستان کو یہ توفیق ہو تو جس طرح جرمنی کے خدام نے اپنے خرچ پر اپنے اجتماع کو ساری دنیا کا اجتماع بنایا تھا اس طرح آپ بھی کوشش کر لیں۔ اگر توفیق ہو ان دنوں میں ہم یہاں آپ کی طرف سے سالانہ اجتماع بنا دیا کریں گے اور آپ ویڈیو بنا کر اپنے ان مقررین کی جن کو آپ کو شامل کرنا چاہتے ہیں، خواتین تو نہیں ہو سکیں گی مگر باقی ہو سکتے ہیں۔ وہ بھیج دیا کریں، چند ویڈیو آپ کی چلیں گی ایک مرکزی تقریر میں کر دیا کروں گا۔ اس طرح آپ کا سالانہ اجتماع بجائے اس کے کہ آپ کو ہر دفعہ یہ خیال ہو کہ نہیں ہوا، ڈپٹی کمشنر نے روک دیا ہے، پھر یہ کہنے کی بجائے آپ کہیں گے کہ **ایک ڈپٹی کمشنر کیا ہزار ڈپٹی کمشنر بھی اس اجتماع کو روک نہیں سکتے جو خدا کی اجازت سے کیا جارہا ہو جسے اللہ کی تائید حاصل ہو۔ وہ ایک شہر کا، ایک ملک کا اجتماع نہ ہو بلکہ ساری دنیا کا اجتماع بن جائے۔** پس آپ کے اجتماع اس طرح ساری دنیا میں عام ہو جائیں گے اور ابھی بھی اللہ کے فضل سے دیگر اجتماعات کے

ذکر میں، میں نے آپ کا ذکر بھی کر دیا ہے تو میرے نزدیک آپ بھی ان اجتماعات کی فہرست میں شامل ہیں دیگر انصار اللہ اور لجنہ بھی اسی طرح شامل ہیں۔

ان سب کو میری ایک نصیحت یہ ہے کہ اس دفعہ جلسہ سالانہ پر عالمی بیعت کے بعد میں نے نصیحت کی تھی کہ آپ اگلے تین ماہ تربیت کی طرف توجہ دیں۔ میرے خیال میں مجھے نہیں یاد کہ اس سے پہلے کبھی جماعت کی طرف سے بیعت کرنے والوں کے لئے اس قسم کی سکیم کا آغاز کیا گیا ہو۔ تمام دنیا میں مسلسل باقاعدہ منصوبے بنا کر ساری جماعتیں نومبائعین کو اپنے اندر جذب کرنے اور ان کی تألیف قلب کے لئے پروگرام بنائیں اور ان کی تربیت کریں۔ اب جبکہ یہ وقت تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ جو رپورٹیں مل رہی ہیں ان سے اندازہ ہوا ہے کہ اس طرح عالمی بیعت کی تحریک ایک الٰہی تحریک تھی خدا کے فضل سے یہ تحریک بھی غیر معمولی طور پر برکت پا گئی ہے اور محسوس ہوا ہے کہ اس کی شدید ضرورت تھی۔ اس لئے یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کی تائید سے ہی دل میں تحریک ڈالی گئی اور از خود پیدا ہونے والا کوئی خیال نہیں ہے۔ جن تجربات کی اطلاعیں ملی ہیں ان کو پڑھ کر جہاں بے حد خوشی ہوئی وہاں افسوس بھی ہوا کہ کاش پہلے ہم اس طرف توجہ کرتے تو بہت سے لاکھوں میں احمدی ہونے والی جماعتیں رفتہ رفتہ ضائع نہ ہو جاتیں۔ شدّت سے محسوس ہوا کہ جو بیعت کرتے ہیں ان کی تربیت کا تو آغاز ہوتا ہے۔ یہ سمجھ کر کے احمدی ہو گئے ان کو اپنے حال پر چھوڑ دینا بہت بڑا ظلم ہے کیونکہ ہر ملک میں مختلف قسم کی رسوم رائج ہیں، مختلف قسم کی مذہبی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، چھوٹے چھوٹے مسائل میں بھی اور بڑے بڑے مسائل میں بھی جب تک باقاعدہ مستقل رابطہ کر کے ان کی تربیت کا انتظام نہ کیا جائے، بعض غلطیاں ایسی جڑ پکڑ جاتی ہیں کہ پھر ان کا اکھیڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب میں غانا دورے پر گیا تھا تو بعض پرانی جماعتوں میں جہاں پیدائشی طور پر کثرت سے احمدی موجود تھے۔ وہاں بھی ایسی پرانی بعض بدرسمیں پائی گئیں جن کے متعلق مجھے حیرت ہوئی کہ پہلے کیوں نہیں ان کو اکھیڑا گیا لیکن اس طرح وہ گہری ان کے اندر داخل ہو چکی تھیں اور احمدیت میں رہتے ہوئے ان کی جڑوں کو قائم رہنے دیا گیا جس کا نقصان یہ ہوا کہ ان کے ساتھ مجھے بھی بہت سر کھپائی کرنی پڑی، بہت سمجھانا پڑا اور بڑی مشکل سے پھر آخر وہ پرانے فرسودہ خیال ان کے دلوں سے نکالے۔

تو ابھی جو دورے کئے گئے ہیں ان کی طرف سے رپورٹیں مل رہی ہیں کہ ہم تو لرز گئے یہ

دیکھ کر کہ اگر ہم ان کو چھوڑ دیتے تو ان جماعتوں بے چاروں کا بننا کیا تھا؟ ایمان تو لے آئے لیکن بعض بدرسمیں، بعض بیوقوفوں والے خیالات، بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو دین میں ایسی اہمیت دینا، جن کی دین میں گنجائش ہی کوئی نہیں۔ وہ ابھی تک اسی طرح تھے یعنی یہ خیالات، یہ بدرسمیں، یہ پست چھوٹی چھوٹی باتوں کو اہمیت دینے کے رجحان، یہ اسی طرح موجود تھے۔ چنانچہ ان مہمات کے نتیجے میں اللہ کے فضل سے حیرت انگیز کامیابیاں ہوئی ہیں ان علاقوں کی کایا پلٹ گئی ہے۔

پھر میں نے یہ تحریک کی تھی کہ آئمہ کو اور ان کے لیڈروں کو اپنے پاس بلائیں اور ان کو سکھائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے یہی طریق تربیت کا سکھایا ہے کہ کیوں نہیں ہر علاقے سے جہاں اسلام پھیلتا ہے ایک فرقہ مرکز میں نہیں پہنچتا۔ پہنچنا چاہئے، وہاں پہنچیں۔ **تفقه فی الدین** حاصل کریں اور پھر واپس لوٹیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ایمان لانے والوں پر صادق آنے والا کلام ہے، غیروں سے تو خطاب نہیں کیا جا رہا۔ قرآن کریم نے تو چودہ سو سال پہلے خوب کھول کر سمجھا دیا تھا۔ جہاں جہاں اسلام پھیلے گا اس پر اطمینان نہ کر لینا، لازم ہے کہ ان کے نمائندے مرکز میں پہنچیں اور تربیت حاصل کریں اور پھر واپس جا کر اپنی قوم کو دین سکھائیں۔ اس پہلو سے یہ سلسلہ بھی اللہ کے فضل سے بہت سے ممالک میں جاری ہوا اور بہت ہی نیک نتائج اس کے ظاہر ہوئے لیکن جہاں جہاں ابھی یہ کام نہیں ہو سکے۔

میں ذیلی تنظیموں کو خصوصیت سے متوجہ کرتا ہوں کہ وہ تربیت کے معاملے میں جماعتوں کا ہاتھ بٹائیں اور اپنے امراء کو پیشکش کریں اور جو حصہ امراء تربیت کے سلسلے میں ان کے سپرد کریں اس میں وہ آگے بڑھ کر شوق سے حصہ لیں اور اپنے اجتماعات میں لازماً نومبائعین کو ضرور شامل کیا کریں اور ان کی تربیت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے اوپر ذمہ داریوں کے بوجھ ڈالنے شروع کریں۔ جو شروع میں شائد بوجھ لگیں پھر بہت ہلکے محسوس ہوں گے اور ان کو نظام کا باقاعدہ حصہ بنائیں اگر اس طرح آپ انجذاب کا کام کریں گے یعنی جذب کرنے کا انتظام کریں تو دیکھتے دیکھتے یہ ایک صالح خون کی طرح آپ کے پاک وجود کا حصہ بن جائیں گے۔ اگر ایسا نہیں کریں گے تو نظام از خود ان کو دھکا دے کر باہر نکالے گا جو وجود نظام میں ہضم نہ ہو سکے، جذب نہ ہو سکے۔ اگر اسے نظام باہر نہ نکالے تو وہ نظام فاسد ہو جاتا ہے۔ یہی قرآن کریم سے روحانی نظام سے متعلق پتا چلتا ہے

اور یہی جسمانی نظام کا حال ہے جو سب دنیا ویسے ہی جانتی ہے۔ ہم جو چیز کھاتے ہیں اس کا صالح حصہ ہمارے خون میں جاتا ہے، جذب ہوتا ہے، ہمارے وجود کا حصہ بنتا جاتا ہے، جو چیز فساد کا موجب بن سکتی ہے نظام جسمانی کے لئے خلل کا موجب بن سکتی ہے، اس میں خرابی پیدا کر سکتی ہو، اس کو وہ تمام اعضاء جو خدا تعالیٰ نے اس غرض کے لئے قائم فرمائے ہیں۔ باہر نکال دیتے ہیں اور اگر وہ باہر نکالنے کا سلسلہ از خود نہ ہو تو سارا نظام جسمانی فساد ہو جاتا ہے۔ پس یہ بھی ضروری ہے کہ جب آپ تربیت کرتے ہیں ان میں سے جو صالح اور قائم رہنے والے اور پاک طینت لوگ ہیں وہ از خود آپ کے وجود کا مستقل حصہ بنتے چلے جائیں گے اور وہ جو کجی رکھتے ہیں اور غلطی سے جلد بازی میں آ گئے، وہ اسی تربیت کے دوران آپ سے آرام سے الگ ہو جائیں گے اور آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کون آپ کا ہے اور کون آپ کا نہیں ہے اور جتنے الگ ہوں گے ان کے بدلے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان سے بہتر زیادہ صالح، ان سے زیادہ پیار کرنے والے اور زیادہ قربانی کرنے والے لوگ میں تمہیں دوں گا اور کثرت سے دوں گا۔

پس اس تربیت کے نظام کو اگر پوری طرح عملی جامہ نہیں پہنایا گیا تو یہ نہ سمجھیں کہ تین مہینے ہو چکے ہیں اس لئے بات آئی گئی ہوگئی۔ یہ بات اس وقت تک آئی گئی نہیں ہوگی جب تک کہ سب نومبائعین کی تربیت کا کام اس حد تک پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ جاتا کہ وہ باقاعدہ نظام کا حصہ بن جائیں اور اس ضمن میں، میں یہ جماعتوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ جیسے کہ میں نے کہا ہے کہ ذیلی تنظیموں سے استفادہ کریں اور کچھ ان پر ذمہ داریاں ڈالیں اور پھر وہ مستقل اس کام کو جاری رکھیں۔ اس کے لئے ایک مرکزی ٹیم الگ بنا دیں جو تبلیغی کاموں سے علاوہ خالصۃً اسی کام کے لئے وقف رہے کیونکہ قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ جن لوگوں کو تربیت کے لئے خدا تعالیٰ مقرر فرمانا چاہتا ہے ان کا ایک الگ گروہ کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔ کیوں نہ ہر قوم سے ایک ایسا فرقہ مرکز میں نہیں آتا جو خالصۃً تربیت کے کام کرتا ہے یا کرے گا۔ پس میں سمجھتا ہوں کہ تربیت کا نظام تین مہینے کے لئے تو ہنگامی نظام تھا، تین مہینے کے بعد سارا سال بلکہ سالہا سال ہمیشہ کے لئے یہ قرآن کا بیان فرمودہ جاری نظام بن جائے جس کو ہم اس طرح اختیار کر لیں کہ نظام جماعت کا ایک اٹوٹ انگ ہو جائے، ناقابل جدا حصہ بن جائے۔

نظام جماعت میں نئے آنے والوں کی تربیت کے لئے ایک الگ شعبہ اس رنگ کا قائم ہو جائے جو پہلے نہیں تھا۔ اصلاح وارشاد تو ہے تربیت کے سیکرٹری بھی ہیں، تربیت کے مختلف عہدے موجود ہیں لیکن میں جس بات کا ذکر کر رہا ہوں وہ خصوصیت سے نومبائعین کے حوالے سے کر رہا ہوں اور اس پہلو سے ہمیں اب مستقلاً ایسے شعبے کے قیام کی ضرورت ہے اور اعلیٰ پیمانے پر اس نظام کو جاری کرنا ضروری ہے کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ کے فضل کے ساتھ اب ہماری تبلیغی کوششوں کو کثرت سے پھل لگنے والے ہیں۔ یہ گزشتہ سال جو واقعہ ہوا ہے کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے۔ یہاں آئندہ زمانوں کے حالات کا ایک پیش خیمہ ہے، آئندہ کیا ہونے والا ہے اس کی خوشخبری دینے والا واقعہ تھا۔ پس اللہ کی تائید کی ہوائیں لوگوں کو احمدیت میں داخل کرنے کے لئے چل پڑی ہیں۔ انہیں سنبھالنے کی تیاری کرنا انتہائی ضروری ہے ورنہ یہ لوگ خود بھی نقصان اٹھائیں گے جو بغیر تربیت کے پڑے رہیں گے اور آپ کو بھی نقصان پہنچائیں گے اور آپ کے اندر بھی غلط رسمیں جاری کریں گے، اسلام سے ہٹی ہوئی عادات اپنے ساتھ لے کر آئیں گے اور کئی قسم کی بدیاں ہیں جو ان کے ساتھ داخل ہو جائیں گی۔ اس لئے لازم ہے کہ نئے آنے والوں کو پہلے Quarantine میں رکھا جائے ان کی تربیت کی جائے، ان کے جراثیم دھوئیں جائیں ان کو ہر قسم کے گند سے صاف کیا جائے اور پاک صالح وجود بنا کر نظام جماعت کا حصہ بنایا جائے۔

اب میں واپس اس مضمون کی طرف آتا ہوں جو گزشتہ کئی خطبات سے جاری ہے۔ تبتّل کے متعلق میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بارہا موت کا ذکر فرمایا ہے کہ مرجاؤ لیکن جہاں جہاں موت کا ذکر فرمایا ہے وہاں زندہ ہونے کا ذکر بھی ہے۔ زندہ ہونے کے لئے مرو کیونکہ موت کے بغیر ایک نئی زندگی مل نہیں سکتی اور جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام موت کہتے ہیں وہی تبتّل ہے، تبتّل کا دوسرا نام سمجھ لیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

او پئے دِلدار، از خود مردہ بود

از پئے تریاق، زہرے خوردہ بود (درثمین فارسی: ۲۱۲)

کہ دیکھو وہ یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آپ کے عشق میں یہ ترانہ گایا جا رہا ہے حضرت مسیح موعود کا یہ کلام آنحضور ﷺ کی فضیلتوں کے بیان میں ہے۔ کہتے ہیں:

؎ او پئے دِلدار، از خود مردہ بود

وہ اپنے محبوب کی خاطر اپنے وجود سے خود کھویا گیا اپنے اوپر موت وارد کر دی۔

؎ از پئے تریاق، زہرے خوردہ بود

تریاق حاصل کرنے کی خاطر زہر کھایا گیا۔ کیسا پیارا کلام ہے، کیسا عمدہ ایک بیان ہے کہ اس لئے کہ تریاق ملے اس نے زہر کھالیا یعنی وہ حالت اختیار کر لی جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے لازماً تریاق دینا ہی دینا تھا۔

؎ تا نہ، نوشد، جامِ ایں زہرے، کسے

گے رہائی یابد از مرگ آں خسے (درثمین فارسی: ۲۱۳)

کہ جب تک کوئی یہ زہر خود نہ کھالے اسے 'گے رہائی یابد از مرگ آں خسے' انسان جو خس و خاشاک ہے بے حیثیت ہے اسے اس موت سے رہائی مل کیسے سکتی ہے۔ پس یہاں موت اور موت سے رہائی کا مضمون اکٹھا ہی بیان فرمایا ہے یعنی ایک موت سے رہائی کے لئے ایک موت اختیار کرنی پڑتی ہے۔

؎ زیر ایں موت است پنہاں، صد حیات

زندگی خواہی، بخور جامِ مَمات (درثمین فارسی: ۲۱۳)

اس موت کے نیچے پنہاں ہیں سینکڑوں زندگیاں، زندگی خواہی تو زندگی کا خواہاں ہے، زندگی چاہتا ہے۔ 'بخور جامِ مَمات' موت کے جام پی لے اسی میں زندگی ہے پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ توحید کا نور اپنی پوری شان کے ساتھ اس وقت تک انسان میں چمک نہیں سکتا جب تک اس سے پہلے آفاقی معبودوں کی نفی نہ ہو جائے۔ یعنی تبتل کے مضمون کو اس رنگ میں بیان فرما رہے ہیں کہ ایک توحید تبتل کے بعد ہے۔ ایک توحید تبتل سے پہلے ہے، توحید کو اختیار کرتے ہو تو تبتل کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے۔ خدا کی خاطر دنیا چھوڑنی ہو اس سے پہلے، توحید کی ضرورت ہے مگر فرمایا ایک توحید تبتل کے بعد جلوہ گر ہوتی ہے۔ وہ ایک عظیم الشان توحید کا تصور ہے جس کی کوئی مثال نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

''توحید ایک نور ہے جو آفاقی و انفسی معبودوں کی نفی کے بعد دل میں

پیدا ہوتا ہے وجود کے ذرّے ذرّے میں سرایت کر جاتا ہے۔ اپنی پوری شان کے ساتھ اس وقت انسان میں چمک نہیں سکتا جب تک اس سے پہلے آفاقی معبودوں کی نفی نہ ہو جائے۔ پس بجز خدا اور اس کے رسولؐ کے ذریعے محض اپنی طاقت سے کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔۔۔‘‘

یہاں ان لوگوں کے لئے ایک خوشخبری ہے جو سمجھتے ہیں تبتل کا مضمون اتنا مشکل ہے کہ اس کو سننے اور سمجھنے کے بعد ہم سمجھتے ہیں کہ ہم میں تبتّل کی طاقت ہی نہیں ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ تبتل کی طاقت اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کسی کو بھی مل نہیں سکتی۔ گزشتہ سے پیوستہ جمعہ پر کسی خطبہ سننے والے احمدی نے ایک دلچسپ تبصرہ کیا۔ اس نے کہا آج تو تبتل کا مضمون سمجھنے کے بعد مجھے تو یوں لگتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؑ کے خلفاء کے سوا اور کوئی بھی احمدی نہیں رہا۔ یہی احمدی کہلا سکتے ہیں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو فرماتے ہیں میری جماعت میں سے نہیں ہے، یہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ ان کا یہ فقرہ ایک دلچسپ تبصرہ تو ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ خلفاء بھی اللہ تعالیٰ کی تائید کے سوا کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ انبیاءؑ ایک ایسا تائید یافتہ گروہ ہے جن کے متعلق ہم لب کشائی نہیں کر سکتے لیکن خلفاء کا یہ حال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب جان جانِ آفرین کے سپرد کر رہے تھے تو بے قرار ہو کر بستر پر تڑپ تڑپ کر یہ کہہ رہے تھے۔ **لالی ولا علی** (مسند احمد جز اوّل صفحہ: ۴۶) اے میرے اللہ! میں نیکیوں کا حساب نہیں مانگتا، میری غفلتوں سے درگزر فرما دے۔ اس لئے کہنا بھی درست نہیں کہ خلفاء بھی اس مقام پر جا پہنچے ہیں جہاں وہ سمجھیں کہ بخشے گئے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ بخشش کے لئے ایک بے قرار دل چاہئے جو ہر وقت، ہر آن ترساں رہے، خدا سے خوف زدہ رہے اور جانتا ہو اور یہ حقیقت ہے کہ صحیح جانتا ہے وہ کہ میرے اعمال اس لائق نہیں ہیں کہ اس خدا کے حضور قبول کئے جائیں۔ وہ بخش دے، رحمت سے درگزر فرما دے اور قبول فرما دے تو اس کی رحمت کی شان ہے ورنہ حقیقت میں، میں حقدار نہیں ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاں تبتل کی تعریف کرتے ہوئے ایسا جلالی کلام فرمایا جس کو سن کر انسان لرز اٹھتا ہے اور ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ میں بھی جماعت سے باہر نکل گیا لیکن ساتھ دلداری بھی فرمائی ہے، طریق بھی سکھائے ہیں کہ کس طرح انسان اپنی کمزوریوں کے باوجود خدا

کی درگاہ میں قبولیت کا درجہ پالیتا ہے۔فرماتے ہیں:۔

''پس وہ بجز خدا اور اس کے رسولؐ کے ذریعہ کے محض اپنی طاقت سے کیونکر حاصل ہوسکتا ہے۔آنحضرت ﷺ کا وسیلہ اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف جھکو۔تو پھر تمہیں یہ اپنے ذرّے ذرّے کو خدا کی خاطر فنا کر دینے کا مقام حاصل ہوسکتا ہے۔انسان کا فقط یہ کام ہے کہ اپنی خودی پر موت وارد کر دے۔''

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۴۸)

یہ بھی بڑا مشکل کام ہے۔فرمایا تو صرف یہ ایک کام ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو یہی دکھائی دیتا ہوگا کہ صرف اتنی سی بات ہے۔جو خودی پر موت وارد کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کو پتا چلتا ہے کہ یہ صرف بھی بڑا ہی مشکل کام ہے۔میں نے تو اکثر جگہ خودی کو ہی لوگوں کی ہلاکت میں کارفرما دیکھا ہے۔اتنی خطرناک چیز ہے کہ ہر جگہ خودی،خودی،خودی،پتا نہیں۔اقبال کے دماغ میں کون سی خودی گھسی ہوئی تھی کہ جس کے نتیجے میں کہتا تھا کہ

؎ خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے (کلیات اقبال صفحہ:۳۸۴)

وہ تصور خودی کا جو قرآن نے پیش فرمایا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے پیش فرمایا،جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قلم اٹھایا،وہ خودی تو مہلک ہی مہلک ہے اور اس کو ایسے مٹا دینا چاہئے کہ جیسے وجود ہی کوئی نہیں رہے۔فرماتے ہیں:

''خودی پر موت وارد کر دے،اس شیطانی نحوست کو چھوڑ دے۔۔''

امر واقعہ یہ ہے کہ خودی شیطانی نحوست ہے اور شیطانی نحوست کہنا اس لئے بہت موزوں ہے کہ شیطان کے متعلق قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ ایسی جگہ سے حملہ کرتا ہے کہ جہاں سے تمہیں خبر نہ ہو اور خودی کا حملہ ہمیشہ ایسی جگہ سے ہوتا ہے کہ انسان کو خبر نہیں ہوتی۔متکبر لوگ اپنے نفس اور اپنی اَنا کی خاطر نیکیاں دکھانے والے،اپنے نفس اور اَنا کی خاطر دوسروں پر تنقید کرنے والے،نظام سے باغی ہونے والے وغیرہ وغیرہ۔بے شمار گروہ ہیں جو خودی کے مارے ہوئے ہیں اور ان کو پتا ہی نہیں۔ان سے حال پوچھیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ سب نیکی کی باتیں ہیں۔پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو یہ فرمایا ہے اس شیطانی نحوست کو چھوڑ دیں۔بہت ہی عمدہ تذکرہ ہے۔خودی کے

مضمون پر یہ شیطانی نحوست ہے اس سے نجات حاصل کرنا لازم ہے۔ فرمایا شیطانی نحوست کس طرح اس کو لاحق ہو جاتی ہے۔ اس کی چند مثالیں دی ہیں۔ فرمایا

’’۔۔۔اس شیطانی نحوست کو چھوڑ دے کہ میں علوم میں پرورش یافتہ ہوں۔۔۔‘‘

صاحبِ علم لوگوں کا تکبر بھی وہ خودی ہے جو خدا کے دربار میں ردّ ہو جاتی ہیں۔ پس کوئی ایک انسان یہ سمجھے کہ میں علوم میں پرورش یافتہ ہوں اور میری اسی سے نجات ہے میں سب سے بڑا ہوں۔ یہ بھی اسے سب سے چھوٹا کر کے چھوڑتی ہے یہ بات بھی۔ پھر فرمایا

’’۔۔۔ایک جاہل کی طرح اپنے تئیں تصور کرے اور دعا میں لگا رہے۔۔۔‘‘

عالم ہو کر اپنے آپ کو جاہل سمجھے۔ اس سلسلے میں یہ بات میں ضرور سمجھانا چاہتا ہوں کہ ’عالم ہو کر، جو میں نے لفظ کہے ہیں ان کے اندر ایک خامی ہے، اس بیان میں ایک خامی چھپی ہوئی ہے۔ سچا عالم جب غور کرتا ہے اپنے علم پر اور ساری کائنات پر اور دیگر علماء کے حال پر اور ان علوم کے بے شمار مضامین پر جن سے وہ کلیۃً بے بہرہ ہے اور پھر ہر عالم کے اس بنیادی نقص پر کہ کسی عالم کا بھی علم کامل نہیں ہوتا اور بڑے سے بڑا عالم بھی علم کے میدان میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے اور پھر وہ خدا پر نظر ڈالے۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (السجدہ:۷) کے مقام پر نظر ڈالے تو کوئی دنیا میں عالم ایسا نہیں ہے جو یہ کہے کہ میں عالم ہو کر پھر گر رہا ہوں۔ وہ حقیقت میں اپنے آپ کو ضرور جاہل سمجھے گا اور اس وقت سچا عجز پیدا ہوتا ہے۔ بعض لوگ جو سمجھتے ہیں کہ ہیں تو ہم عالم لیکن عجز کی خاطر کہتے ہیں ہمارے پاس کہاں علم، ہم تو لاعلم لوگ ہیں۔ وہ ان کا لاعلم بننا عجز نہیں ہوتا بلکہ دکھاوا ہو جاتا ہے۔ بعض امیر جس طرح کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو مزدور ہیں بس دو وقت روٹی کمانے والے ہیں حالانکہ لاکھ پتی ہوتے ہیں۔ ان کا اندازِ بیان بھی ایک فخر رکھتا ہے۔ ہم کیا ہیں مزدور ہی مزدور روٹی کمانے والے ہیں اور لاکھوں کروڑوں روپے جمع ہوتے ہیں ان کے۔ تو علم کے ساتھ یہ حرکت کی جائے یا دولت کے ساتھ حرکت کی جائے بنیادی طور پر انسان کی اَنا جو ہے وہ اسے یہاں بھی دھوکہ دے رہی ہے۔ یہ بھی شیطانی نحوست ہے۔ سچا عجز وہ ہے جو حقیقت پر مبنی ہو اور انسان اگر گہری فراست کے ساتھ اپنی یافت پر غور کرے جو کچھ وہ حاصل کر چکا ہے اسے پہچانے، پرکھے، اسے معلوم ہوگا کہ وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ کوئی حیثیت نہیں ہے، پھر وہ سچا عجز پیدا ہوتا ہے جس کے بعد دعا میں جان پڑ جاتی ہے، طلب میں

قوت پیدا ہو جاتی ہے ورنہ آپ منہ سے انکار کر رہے ہوں میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اے خدا میں تو کچھ بھی نہیں ہوں، دل کہہ رہا ہو کہ کافی کچھ ہو۔ محض خدا کی خاطر گر رہے ہو۔ تو دعا میں جان کہاں سے پڑے گی۔ دعا میں جان تو خطرے کے مقام سے پڑتی ہے ایک آدمی جو چھت سے گر رہا ہو گرتے وقت کی اس کی چیخ ہے وہ اور قسم کی چیخ ہے محض بناوٹ سے چیخ مارنا بالکل اور بات ہے۔ ایک بچے پر ایک درندہ جھپٹ رہا ہو اس کی جو چیخ ہے وہ بالکل اور نوعیت کی ہے اور عام حالات میں بچے کا چیختا رہنا اور ہے اگر ماں بچے کی وہ چیخ سن لے جو حقیقی خطرے کے وقت دل سے نکلتی ہے تو ماں اپنی جان اپنا سارا وجود خطرے میں جھونک دیتی ہے تا کہ اس بچے کو بچا لے۔ بس دعا میں قوت پیدا کرنے کے لئے یہ مضمون سمجھنا ضروری ہے اپنے عجز کو حقیقی بنائیں اور آپ کا عجز ہے ہی حقیقی، ہم سب کا عجز حقیقی ہے، اگر ہم اس کو پالیں اگر اپنے وجود کی حقیقت کو سمجھ جائیں تو ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔ حقیقت میں ذلیل کیڑوں سے بڑھ کر ہماری کوئی حیثیت نہیں ہے اور خدا نے جو عزتیں دی ہیں محض اس کی پردہ داریاں ہیں اور اس کی رحمت ہے جس کی چادر نے ہمیں لپیٹا ہوا ہے ورنہ حقیقت میں انسان خدا کے سامنے کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس حیثیت سے اپنے گرد و پیش کے خطرات کو محسوس کر کے اگر دعا میں لگا رہے تب حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''توحید کا نور خدا کی طرف سے اس پر نازل ہوگا اور ایک نئی زندگی اس کو بخشے گا۔''

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۴۸)

یہ وہ توحید ہے جو نئی زندگی بخشتی ہے کیونکہ سب کچھ کی نفی جو ہو گئی۔ تب توحید قائم ہوئی ہے۔ اگر ساری کائنات کی نفی کر دیں اور اپنے وجود کو قائم رکھیں تو حید کیسے ہو جائے گی۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کلام بہت گہرے معنی رکھتا ہے اسے محض سرسری طور پر نہ پڑھیں ہر انسان کہتا ہے لا الــہ الا اللہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں۔ لیکن وہ سوچتا نہیں کہ گرد و پیش کی نفی تو کر رہا ہے، کہنے والا اپنی بھی نفی کرتا ہے کہ نہیں اور اپنی نفی کرنا سب سے بڑا مشکل کام ہے۔ یہ نفی جگہ جگہ کرنی پڑتی ہے، روزمرہ زندگی میں بے شمار قدم ایسے اٹھانے پڑتے ہیں جہاں یہ مضمون آپ کے سامنے ایک تنبیہ کے طور پر آ کھڑا ہوتا ہے اور آپ سے پوچھتا ہے کہ کیا تم اپنی نفی کر کے یہ قدم اٹھا رہے ہو یا خدا کی مرضی کے علاوہ ایک الگ قدم اٹھایا جا رہا ہے۔ حضرت مسیح موعود

علیہ السلام تبتل کے مضمون کو ہجرت کے طور پر بیان فرماتے ہیں اور حقیقت میں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے تبتل کو ہجرت کے رنگ میں ہی ایک اور موقع پر بیان فرمایا ہے۔ آنحضرت ﷺ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں۔ **انما الاعمال بالنية وانما لامرى مانوى فمن كانت هجرته الى الله و رسوله فهجرته الى الله ورسوله ومن كانت هجرته لدنيا يصيبها او امراة يتزوجها فهجرته الى ما هاجر اليه**

(بخاری کتاب الایمان حدیث نمبر ۲، مسلم کتاب الامارہ حدیث نمبر ۳۵۳۰)

اس میں آنحضور ﷺ فرماتے ہیں کہ دیکھو اعمال کی بنیاد نیتوں پر ہے۔ پس خدا تعالیٰ کی طرف دوسروں سے قطع تعلق کر کے چلنا یہی حقیقی ہجرت ہے اور اس حقیقت کا آغاز نیت سے ہوگا۔ ورنہ تمہاری تمام حرکتیں خدا کی طرف ایک غلط فہمی کا نتیجہ ہوں گی۔ تم سمجھ رہے ہو گے کہ تم خدا کی طرف جا رہے ہو لیکن فی الحقیقت کسی اور وجود کی طرف چل رہے ہو گے۔ اتنی عظیم الشان حدیث ہے کہ زندگی کے ہر عمل پر اور عمل سے پہلے ہر نیت پر یہ نگران بن گئی ہے اور ہماری کمزوریوں کی طرف اشارہ فرما رہی ہے اور متنبہ کر رہی ہے کہ کن کن باتوں میں تمہیں توجہ کے ساتھ غور و فکر کے ساتھ اپنی نیتوں کا تجزیہ کرنا چاہئے اور غور کرنا چاہئے کہ تمہاری نیتیں سچی ہیں یا جھوٹی ہیں۔ فرمایا **فمن كانت هجرته الى الله و رسوله فهجرته الى الله** جس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہے جس نے دنیا چھوڑی ہے خدا اور رسول کی خاطر وہ تو انہی کی طرف رہے گی۔ یہ تو سادہ سی بات ہے لیکن **ومن كانت هجرته لدنيا يصيبها** جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہے دنیا کو پالے گا۔ **امراة يتزوجها** جس کی ہجرت عورت کی طرف ہے تو وہ اس سے نکاح کر لے گا۔ **فهجرته الى ما هاجر اليه** عملاً اس کی ہجرت وہی شمار ہوتی ہے جس کی نیت سے وہ چلا ہے۔ پس ان دو باتوں کا کیا تعلق ہے۔ جس کی ہجرت اللہ کی طرف وہ اللہ کی طرف ہوگی اور مراد یہ ہے کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ تمہاری ہر ہجرت اسی طرف ہے جس طرف تم بظاہر سمجھتے ہوئے عین ممکن ہے یہ خطرہ لاحق ہے کہ تم سمجھ رہے ہو خدا کی طرف جا رہے ہو لیکن مقصد کوئی اور دنیا کی چیز ہو۔ پس تم دنیا کی چیز تو پالو گے لیکن خدا کو نہیں پا سکو گے۔ اگر ہجرت خالصۃً اللہ کے لئے ہوگی تو دنیا پر ٹھہرو گے نہیں۔ رستے میں دنیا بھی پا سکتے ہو مگر اصلی مقام تک پہنچو گے یعنی خدا جس کی طرف تم ہجرت کر رہے ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی ہجرت

کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یقیناً میری مثال ایک ایسے شخص کی مثال ہے جس نے محبت کو ہر چیز پر چن لیا ہو اور خدا کی طرف پورا جھک گیا ہو اور قرب کے میدانوں میں سعی کرتا ہو (یعنی خدا تعالیٰ جہاں جہاں ملتا ہے وہاں کوشش کر کے تیزی سے قدم اٹھا رہا ہو) اور اس کے ملنے کے لئے وطن سے دوری اختیار کی ہو اور وطن کی مٹی کو اور ہم عمروں کی صحبت کو چھوڑا ہو اور اپنے محبوب کے شہر کا قصد کیا ہو اور چلا ہو۔''

کیسی پیاری تفسیر ہے تبتّل الی اللہ کی۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی وطن میں رہتے تھے جہاں پیدا ہوئے انہی لوگوں میں پرورش یافتہ تھے۔ جن کے ساتھ آپؑ نے عمر گزاری اور ظاہری طور پر ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑا مگر آپ کا دل گواہ تھا اور اس عبارت کا ایک ایک لفظ گواہ ہے کہ آپ سچے ہیں کہ بارہا خدا کی خاطر ان سب چیزوں کو خیر آباد کہنا پڑا ہے۔ ان سے رخصت ہونا پڑا ہے کیونکہ دل ہمیشہ اللہ کی طرف مائل رہا۔ جہاں ان چیزوں کا قرب خدا سے دور کرنے کا موجب بن سکتا تھا وہاں ہر دفعہ آپؑ نے نیت میں ان چیزوں کو چھوڑ دیا اور خدا کی طرف مائل ہو گئے۔ یہ وہ تبتل کا سفر ہے جو زندگی بھر انسان کے ساتھ رہتا ہے اور اسی کے نتیجے میں پھر دراصل وہ توحید کا نور حاصل ہوتا ہے جس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنا حال بچپن سے یہی تھا خدا تعالیٰ کی طرف سے آپؑ تبتل یافتہ تھے۔ آپؑ کی فطرت میں تبتل الی اللہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے والد صاحب نے علاقہ کے ایک سکھ زمیندار کو ایک دفعہ یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آج کل ایسا بڑا افسر برسر اقتدار ہے جس کے ساتھ میرے تعلقات ہیں پس اگر تم چاہتے ہو تو میں تمہیں تمہاری مرضی کی بہت اعلیٰ نوکری دلوا سکتا ہوں۔ یہ وہ سکھ دوست جو ملنے کے لئے آئے ہوئے تھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تلاش میں گئے اور آخر ان کو ڈھونڈ کر یہ پیغام دیا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ جواب دیا۔ حضرت والد صاحب سے عرض کر دیں کہ میں ان کی محبت اور شفقت کا ممنون ہوں مگر میری نوکری کی فکر نہ کریں میں نے جہاں نوکر ہونا تھا ہو چکا۔ (سیرۃ المہدی حصہ اوّل صفحہ: ۴۳)

دادا کا یہ پیغام تھا کہ اس کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں یہ عرض کر دیں۔ میری نوکری کی فکر نہ کریں۔ میں نے جہاں نوکر ہونا تھا ہو چکا ہوں۔ یہ سکھ زمیندار حضرت والد صاحب کی خدمت میں حیران و پریشان ہو کر واپس آیا اور عرض کیا کہ آپ کے بچے نے تو یہ جواب دیا ہے۔ میں نے تو جہاں نوکر ہونا تھا ہو چکا ہوں۔ شاید وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جواب کی اہمیت کو نہ سمجھتا تھا۔ مگر والد صاحب کی طبیعت بڑی نکتہ شناس تھی کچھ دیر خاموش رہنے پر فرمانے لگے۔ اچھا غلام احمد نے یہ کہا ہے کہ میں نوکر ہو چکا ہوں تو پھر خیر ہے اللہ اسے ضائع نہیں کرے گا۔ حضرت میاں بشیر احمد صاحب روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک بڑے رئیس نے ہمارے دادا صاحب سے پوچھا کہ سنتا ہوں آپ کا ایک چھوٹا لڑکا بھی ہے مگر ہم نے اسے دیکھا نہیں ہے۔ دادا صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ہاں میرا ایک چھوٹا لڑکا تو ہے مگر تازہ شادی شدہ دلہنوں کی طرح کم نظر آتا ہے۔ اگر اسے دیکھنا ہو مسجد کے کسی گوشے میں جا کر دیکھ لیں۔ وہ تو مسیتڑ ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تبتل آغاز ہی سے خدا تعالیٰ کی طرف سے فیض یافتہ تبتل تھا، ایک فطرت ثانیہ بن چکا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

> ''میں کہتا ہوں کہ اگر مجھے اس امر کا یقین دلایا جاوے کہ خدا تعالیٰ سے محبت کرنے اور اس کی اطاعت میں سخت سے سخت سزا دی جائے گی تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری فطرت ایسی واقع ہوئی ہے کہ ان تکلیفوں اور بلاؤں کو لذت اور محبت کے جوش و شوق کے ساتھ برداشت کرنے کو تیار ہے اور باوجود ایسے یقین کے جو عذاب اور دکھ کی صورت میں دلایا جائے کبھی خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری سے ایک قدم باہر نکالنے کو ہزار بلکہ لا انتہاء موت سے بڑھ کر دکھوں اور مصائب کا مجموعہ قرار دیتی ہے۔'' (ملفوظات جلد دوم صفحہ: ۱۳۴)

پھر نصیحت کے رنگ میں ہمیں فرماتے ہیں:

؎ سب خیر ہے اسی میں کہ اس سے لگاؤ دل
ڈھونڈو اسی کو یارو! بتوں میں وفا نہیں

اس جائے پر عذاب سے کیوں دل لگاتے ہو
دوزخ ہے یہ مقام یہ بستاں سرا نہیں (درثمین صفحہ:۱۵۲)

پس وہ لوگ جو دنیا سے دل لگا کر دنیا کی محبتوں میں منہمک ہو جاتے ہیں ان کی زندگیاں اس بات کی گواہ ہیں کہ ان کی موت ہمیشہ بے اطمینانی کی موت ہوتی ہے، کبھی انہیں زندگی سے سچی طمانیت نہیں ملتی کیونکہ قرآن کریم فرماتا ہے: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد:۲۹) خبردار سچی طمانیت صرف اللہ کے ذکر سے ملے گی کیونکہ اسی ذکر کی خاطر دل پیدا کئے گئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے فارسی کلام میں فرماتے ہیں:

ہر چہ غیر خدا، بخاطر تست
آں بت تست، اے بایماں سست
پر حذر باش، زِیں بتانِ نہاں
دامنِ، دل، زِ دستِ شاں بر ہاں (درثمین فارسی صفحہ:۲۶)

کہ ہر چہ غیر خدا، بخاطر تست۔ اے سست ایمان والے ہر وہ خدا کا غیر جو تیرے دل میں ہے یہ تیرے دل کا ایک بت ہے۔ 'پر حذر باش، زِیں بتانِ نہاں' لازم ہے تجھ پر کہ ان چھپے ہوئے بتوں سے خوفزدہ رہو ان سے بچ کر رہو۔ 'دامنِ، دل، زِ دستِ شاں بر ہاں' اپنے دل کا دامن ان کی قید سے چھڑالو اور آزاد ہو جاؤ۔ **پس تبتّل کا یہ معنی ہے کہ اپنے دل کے مخفی بتوں سے انسان رہائی پائے۔**

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کا مطلب ہے کہ انسان اس دنیا میں اس طرح مر جائے کہ دنیا کے آرام، دنیا کی نعمتیں، دنیا کی لذتوں سے کلیۃً کنارہ کش ہو جائے اور ایک فقیر کا کمبل اوڑھ کر اس دنیا سے الگ ہو جائے، تو یہ درست نہیں ہے کہ مقام تبتل اس مقام سے زیادہ مشکل ہے جس مقام میں فقیر دنیا سے پناہ مانگتے ہیں اور علیحدگی اختیار کر جاتے ہیں۔ تبتّل کا مطلب ہے کہ اس دنیا میں رہنا، اس کے ساتھ ساتھ چلنا، ہر روز اس کی لذتوں اور کشش سے آزمائے جانا اور ہر لمحہ اس بات پر نگران ہونا کہ یہ تمام لذتیں خدا تعالیٰ کے تعلق کے مقابل پر ہیچ ہیں۔ جہاں میں اس دور اہے پر آؤں گا کہ جہاں ایک طرف لذّتیں ہوئیں دوسری طرف خدا کی محبت ہوئی تو ان لذتوں کو اس طرح ترک کر دوں گا جیسے ایک بدبودار مردار کو انسان چھوڑ کر الگ ہو جایا کرتا ہے۔ یہ وہ تبتل کی روح ہے ورنہ

حقیقت میں دنیا کی زینتیں، اچھے لباس، اچھا کھانا، اچھا پینا مومنوں پر حرام نہیں ہے بلکہ قرآن کریم تو فرماتا ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (الاعراف:۳۴) اے محمد ﷺ! تو اعلان کر دے کون ہے جس نے اللہ کی زینت کو حرام قرار دیا ہے وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی ہے۔ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ اور ماکولات یعنی کھانے پینے کی چیزوں میں سے جو اچھی چیزیں وہ ساری کی ساری قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الاعراف:۳۴) تو کہہ دے کہ میں نے تو یہ ساری نعمتیں ایمان والوں کی خاطر پیدا کی ہیں فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اس دنیا میں لیکن خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ اس دنیا میں غیر بھی شریک ہیں، قیامت کے دن تو صرف مومنوں کے لئے ہوں گی۔ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ اسی طرح ہم آیات کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

یہاں لفظ خالصۃً بہت ہی اہم بیان ہے جس پر غور کریں وہ مؤمن جو دنیا میں باقی غیر مؤمن لوگوں کی طرح نعمتوں میں شریک ہوتے ہیں ان کے لئے قیامت کے دن خالص کیسے ہوسکتی ہیں۔ خالصۃً تب بن سکتی ہیں جب اس دنیا میں ان نعمتوں سے استفادہ کرتے ہوئے خدا کی خاطر جب بھی موقع آیا ان نعمتوں کو انہوں نے یکسر ایک غلیظ اور ردّی چیز کی طرح پھینک دیا اور جدائی اختیار کر لی۔ اب رمضان آئے گا تو اس میں بھی خدا کے مومن جو بھی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں ان کے عادی ہیں لیکن اس طرح خدا کی خاطر ان نعمتوں سے کنارہ کشی اختیار کر جاتے ہیں۔ یہ نعمتیں بہت سے ایسے مواقع پر سامنے آتی ہیں جہاں گناہ کے نتیجہ میں حاصل ہوسکتی ہیں۔ چوری کے ذریعے حاصل ہوسکتی ہیں، خیانت کے ذریعے حاصل ہوسکتی ہیں، وہ نعمتیں وہ نہیں ہیں جو خدا نے اپنے مومن بندوں کے لئے پیدا کی ہیں۔ مومن بندوں کے لئے وہ نعمتیں پیدا کی ہیں جو خدا ان کو عطا فرماتا ہے اور رزق حلال کے طور پر یا جائز نعمتوں کے طور پر ان کو ملتی ہیں وہاں جو لوگ ان نعمتوں سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں اور ناجائز ذرائع سے ان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہیں کرتے یہ وہ لوگ ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ دنیا میں تو یہ سب شریک ہیں۔ حلال حرام جو کچھ سب مل کر کھاتے رہے ہیں لیکن مومن بندے ہمیشہ حرام کے مقام سے کیونکہ رک جاتے رہے ہیں اسی لئے قیامت کے دن یہ نعمتیں انہی کے لئے خاص ہوں گی ان کے غیر اس میں شریک نہیں

ہوں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی مضمون کو مزید کھولتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:

''ہم یہ نہیں کہتے کہ زراعت والا زراعت کو اور تجارت والا تجارت کو، ملازمت والا ملازمت کو اور صنعت وحرفت والا اپنے کاروبار کو ترک کر دے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور: ۳۷) والا معاملہ ہو۔۔۔''

ہم یہ کہتے ہیں کہ کوئی تجارت اور کوئی کاروبار ان کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرنے والا ہو، یہ مراد ہے۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے اگر ہر چیز خدا سے غافل کرنے کی بجائے خدا کا ذکر یاد دلانے والی بن جائے تو دنیا میں اس رنگ میں رہنا اور اس سے تعلق جوڑنا ہرگز منع نہیں ہے لیکن وہ تعلق جو خدا کی ذات سے غافل کرے اور انسان کو خدا سے توڑ کر اپنی طرف کھینچ لے۔ وہ تعلق ہے جس کی مناہی فرمائی گئی ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

''۔۔۔کاروبار تجارت میں اور زمیندار اپنے امورِ زراعت میں اور بادشاہ اپنے تخت حکومت پر بیٹھ کر غرض جو جس کام میں ہے اپنے کاموں میں خدا کو نصب العین رکھے اور اس کی عظمت اور جبروت کو پیش نظر رکھ کر اس کے احکام اور اوامر ونواہی کا لحاظ رکھتے ہوئے جو چاہے کرے اللہ سے ڈر اور سب کچھ کر''

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ: ۵۵۰)

تو یہ مفہوم ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر قسم کے گناہ کرتے رہو۔ مراد یہ ہے کہ اللہ سے ڈر کر رہو اس ڈر کے دائرے میں جو کچھ کرو اس میں تم آزاد ہو اور تمہیں کوئی خوف نہیں یہ جب خدا کا خوف آ جائے تو ہر غیر اللہ کے خوف سے انسان آزاد ہو جاتا ہے۔ خوف سے بچنے کا یہی طریق ہے کہ ایک خوف کو یعنی اللہ کے خوف کو غالب کر لیں اور پھر کسی غیر اللہ کا، کسی اور چیز کا خوف انسان کو ڈرا نہیں سکتا، اس کو مرعوب نہیں کر سکتا، اس کی زندگی جہنم نہیں بنا سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اگر انسان کی زندگی کا یہ مدّعا ہو جائے کہ وہ صرف تنعم کی زندگی بسر کرے۔۔۔''

یعنی یہ آپ کو خوب کھول کھول کر سمجھانا پڑتا ہے کہ زندگی میں رہتے ہوئے تبتّل کیسے اختیار

کرنا ہے؟، کس حد تک جانا ہے؟، کس حد سے آگے قدم نہیں بڑھانا ایک وہ بیان ہے کہ دیکھو اِن حدود کے اندر رہتے ہوئے جو چاہو کرو کہ دیکھو ان تعلقات میں ایسے نہ بڑھ جانا کہ تم سے یہ سلوک ہو جائے۔ یہ مضمون بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’۔۔۔انسان کی زندگی کا یہ مدّعا ہو جائے کہ وہ صرف تنعم کی زندگی بسر کرے اور اس کی ساری کامیابیوں کی انتہا خورد و نوش اور لباس و خواب ہی ہو اور خدا تعالیٰ کے لئے کوئی خانہ اس کے دل میں باقی نہ رہے، تو یاد رکھو کہ ایسا شخص فطرۃ اللہ کا مقلب ہے۔‘‘ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۱۱۸)

بہت ہی پیارا کلام، بہت ہی گہرا عارفانہ کلام ہے۔ میں نے آپ سے پہلے بیان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے اس کا ایک نیا مطلب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس عبارت سے میرے ذہن پر ابھرا ہے اور بہت ہی پیارا مطلب ہے۔ اللہ کی فطرت میں تو دنیا کی کوئی آلودگی نہیں ہے، اللہ کی فطرت میں نہ کھانا پینا، نہ اس کی ضرورت ہے، نہ آرام کی ضرورت ہے، نہ دنیاوی تنعم اس کی فطرت اور مزاج کے مطابق ہے۔ تو وہ انسان جو ان چیزوں پر انحصار کر جاتا ہے۔ وہ فطرۃ اللہ کا مقلب یعنی الٹ بن جاتا ہے۔ وہ خالصۃً ان چیزوں کا ہو کر رہتا ہے۔ پس اگر چہ انسان کلیۃً خدائی صفات اختیار نہیں کر سکتا۔ مگر اس حد تک خدائی صفات اختیار کرنے کا اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے موقع ملتا ہے کہ وقتاً فوقتاً خدا کی خاطر ان چیزوں سے منہ موڑ کے، ان چیزوں سے رشتہ توڑ کر وہ بظاہر محرومی اختیار کر لیتا ہے اور یہ جھلکیاں ہیں جو خدا کی فطرت کی اس کی ذات میں ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ اس کی نجات کا موجب بنتی ہیں اور اس کے برعکس، فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی فطرت کا مقلّب ہے۔ خدا کی فطرت میں جو باتیں ہیں اس کے برعکس وہ بن جاتا ہے دنیا کا کیڑا ہو کر زندہ رہنے کی کوشش کرتا ہے لیکن یہ موت ہے اس میں کوئی زندگی نہیں۔ پھر فرماتے ہیں:

’’مجرم وہ ہے جو اپنی زندگی میں خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق کاٹ لے۔‘‘

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ: ۹۰)

بڑا بدنصیب انسان ہے جو اپنی زندگی میں خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق کاٹ لے۔ اسی کا دوسرا

نام موت ہے اور یہ وہ موت ہے جس کے بعد پھر کوئی زندگی نہیں ہے۔ مر کے وہی زندہ ہوں گے جو اس زندگی میں خدا کے ساتھ زندہ ہیں، جو خدا کی خاطر اس دنیا کی موت اختیار کر لیتے ہیں اور اللہ میں وہ رہ کر زندہ ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی ابدی ہے کوئی موت ان کو مار نہیں سکتی، وہ ہمیشگی کا مقام پا جاتے ہیں، وہ اہل بقاء ہیں لیکن وہ لوگ جو اس دنیا میں زندہ رہتے ہوئے روز مر جاتے ہیں یعنی اللہ سے جدا ہو کر مر جاتے ہیں ان کی موت دائمی ہے۔

پس اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ وہ تبتّل اختیار کریں جس تبتّل کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا نور ہم پر جلوہ گر ہو۔ ہمارے سارے وجود کو نورانی بنا دے۔ یہ اگر ہم کر لیں تو ساری دنیا کی نجات ہمارے ساتھ وابستہ ہو جائے گی اور مجھے یقین ہے کہ ساری دنیا کی نجات آج ہمارے ساتھ ہی وابستہ ہے۔